© rasailojaraid.com

نشانیوں کا مشاہدہ کراتی پھرتی تھیں۔ لیکن عباسیوں کے دور آخر میں جب نیتوں میں خیر القرون والی پاکبازی اور نگاہوں میں عہد صحابہ کی سی پارسائی باقی نہ رہی تو محتاط لوگوں کو مجبوراً آیات الٰہی کی نمائش کا یہ کاروبار ختم کرنا اور اپنی عورتوں کو گھروں میں بند کرنا پڑا۔"(۱۵)

مولانا اصلاحی کی دوسری تصانیف مثلاً حقیقت نماز، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، تدوین قانون اسلامی، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، مبادی تدبر حدیث، قرآن میں پردے کے احکام، فلسفے کے بنیادی مسائل، تفہیم دین، عائلی کمیشن کی رپورٹ نیز ان کے مقالات میں بھی ان کا یہی ادبی اسلوب تحریر ہے۔

مولانا اصلاحی نے اپنی پوری زندگی قرطاس و قلم کے ساتھ گزاری علم وادب کا اتنا طویل المدت خدمت گزار اردو زبان کی تاریخ میں مشکل سے ملے گا۔ ان کے اسلوب نگارش کے اس مختصر سے جائزہ کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے اپنی علمی ودینی اور خالص مذہبی خدمات کی طرح زبان وادب کی بھی بڑی خدمت کی اور جس طرح ان کے دوسرے کارنامے زندہ رہیں گے اسی طرح ان کی ادبی خدمات کو بھی یادر کھا جائے گا۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے سچ لکھا ہے کہ :

"ان کی رگ وپے میں علامہ شبلی کی صہبائے علم ادب رقص کر رہی تھی وہ ان کے طرز تحریر کو انشاپردازی کا اعلیٰ ترین نمونہ سمجھتے تھے، ان کی تحریروں کی رعنائی اور دلآویزی کا یہی سبب ہے لیکن ان کی پختگی اور مشاقی سے ان کا اپنا الگ اور جداگانہ رنگ وآہنگ بھی ہو گیا تھا جس میں سادگی کے باوجود پرکاری ہوتی تھی، طبقہ علماء میں ایسی صاف، شستہ، سلیس، شگفتہ، اور رواں اردو لکھنے والے کم ملیں گے۔"(۱۶)

حواشی

۱۔ ماہنامہ الاصلاح، جون ۱۹۳۶ء، ص ۳

۲۔ امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن، ص ۱۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ مبادی تدبر قرآن، ۱۴۲-۱۴۳

۴۔ ماہنامہ اشراق، لاہور جنوری۔ فروری ۱۹۹۸ء، ص ۱۴

۵۔ حمیدالدین فراہی، تفسیر نظام القرآن، ترجمہ امین احسن اصلاحی، دائرۃ حمیدیہ، سرائے میر ۱۹۹۶ء، ص ۴۵۸

۶۔ حمیدالدین فراہی، امعان فی اقسام القرآن، ترجمہ امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، ص ۱۰۹

۷۔ ماہنامہ ترجمان القرآن، ستمبر ۱۹۴۶ء، ص ۱۹۶

۸۔ امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس، فیصل آباد، ۱۹۸۱ء، ص ۱۶۲-۱۶۳

۹۔ امین احسن اصلاحی، حقیقت تقوی، حیدر آباد دکن، ۱۹۴۸ء ص، ۳۹

۱۰۔ مبادی تدبر قرآن، ص ۱۶

۱۱۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی ۱۹۹۷ء جلد ۹، ص ۵۱۹

۱۲۔ حوالہ سابق، ۶۱

۱۳۔ مبادی تدبر قرآن، ص ۱۱۰

۱۴۔ امین احسن اصلاحی، حقیقت توحید، دارالاسلام، پٹھانکوٹ بدون تاریخ، ص ۱۵

۱۵۔ امین احسن اصلاحی، اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام، ص ۷۶-۷۷

۱۶۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۹۸ء ص ۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا اصلاحی سے ایک یادگار انٹرویو

منظور الحسن (مرتب)

[مولانا امین احسن اصلاحی سے یہ انٹرویو ان کی تفسیر 'تدبر قرآن' کی تکمیل کے بعد ان کے ایک شاگرد مولانا منہاج الدین اصلاحی نے لیا تھا۔ ریڈیو پاکستان نے ۲۳؍ مارچ ۱۹۸۲ء کو لاہور میں ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو خاص طور سے مولانا کے ذاتی احوال و کوائف پر مشتمل ہے اس کی تلخیص اشراق، لاہور کے شکریہ کے ساتھ مولانا اصلاحی کے سوانحی خاکہ کے طور پر شائع کی جارہی ہے۔ ادارہ]

سوال: مولانا آپ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ والدِ گرامی کا نام کیا تھا؟ کیا آپ ہندی النسل ہیں؟ خاندانی پس منظر کے بارے میں کچھ بتانا چاہیں تو ارشاد فرمائیں؟۔

جواب: میں ۱۹۰۴ء میں اعظم گڑھ یوپی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ والد مرحوم کا نام محمد مرتضٰی تھا۔ اعظم گڑھ کی برادری کچھ ملی جلی سی تھی۔ مقامی لوگ بھی تھے اور باہر سے آئے ہوئے لوگ بھی اس میں شامل تھے۔ مثلاً مولانا شبلی نعمانی کا خاندان راجپوت تھا، لیکن مولانا فراہی کا خاندان انصاری تھا۔

جہاں تک میرے اپنے خاندان کا تعلق ہے تو میرا خیال یہی ہے کہ میرے آبا ہندی الاصل تھے۔ مگر میں نے کبھی یہ تحقیق کرنے کی کوشش نہیں کی کہ میرے آبا ہندوؤں کے کس طبقے سے مسلمان ہوئے۔ تاہم اپنے خاندان کے رسوم ورواج، معاشرتی، معاشی ذرائع ووسائل اور افتادِ مزاج کو دیکھ کر یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے خاندان کو راجپوتوں سے بڑی مناسبت ہے۔ میرے نزدیک چونکہ اصل شرف اسلام تھا، اس لیے میں نے اس بارے میں کسی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن قرب وجوار کی راجپوتوں سے ہمارے تعلقات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہی راجپوتوں کے اندر سے ہمارے آباواجداد بھی کسی زمانے میں مسلمان ہوئے تھے۔

ہمارا خاندان ایک متوسط درجے کا زمین دار خاندان تھا۔ تعلیم کوئی زیادہ نہیں تھی۔ والدِ مرحوم حافظِ قرآن تھے۔ حج سے مشرف ہوئے تھے۔ اردو نوشت وخواند سے کچھ واقف تھے گاؤں کے اندر اور آس پاس کے دیہاتوں میں وہ ایک باوقار اور دین دار آدمی سمجھے جاتے تھے گاؤں میں تعلیم کی کمی تھی دو چار حافظ موجود تھے۔ صرف ایک صاحب تھے جو 'ندوۃ العلماء' کے فارغ التحصیل عالم تھے۔ باقی جہاں تک دین داری کا تعلق ہے تو وہ میرے اپنے خاندان میں بھی تھی اور گاؤں میں بھی۔ نماز، روزے کا ہر چھوٹا بڑا پابند تھا۔ بچپن میں، میں یہ برابر دیکھتا تھا کہ والد مرحوم اور چچا مرحوم، مسجد گھر سے دور ہونے کے باوجود پنج وقتہ جماعت میں حاضری کی کوشش کرتے تھے۔ خاندان میں کسی کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ نماز نہ پڑھے یا روزہ نہ رکھے۔ مجھے اپنے بچپن کی یہ بات بھی یاد ہے کہ نماز کے وقت مکان کے صحن میں عورتوں اور بچوں کی لمبی صف بن جاتی تھی۔ اس طرح میرا خاندانی ماحول دینی تو تھا لیکن تعلیمی نہیں تھا۔

سوال : مولانا آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں پائی ؟

جواب: میں نے ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے سرکاری مکتب میں پائی۔ اس کے علاوہ گاؤں والوں نے ایک مولوی صاحب کو قرآنِ مجید اور فارسی پڑھانے کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ میں نے ان سے بھی تعلیم پائی۔ ان مولوی صاحب کی شرافت اور نیکی کی یاد اب تک میرے دل میں بہت گہری موجود ہے۔ ان سے میں نے قرآنِ مجید بھی پڑھا اور فارسی کی تعلیم بھی پائی۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ اس زمانے میں یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ فارسی کی تعلیم کا یہ کیا ڈھب تھا کہ مجھے آمد نامہ اور کریما کے اشعار یاد کرا دیے گئے ہیں جن کے معنی نہ مجھے معلوم تھے اور نہ غالباً میرے مولوی صاحب کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم تھے۔

ہمارے گاؤں میں "ندوۃ العلماء" کے ایک فارغ التحصیل عالم بھی تھے۔ ان کا نام شبلی متکلم ندوی تھا۔ وہ گاؤں کے رشتے سے میرے چچا تھے اور مجھ پر بہت ہی مہربان تھے۔ انہی کی رہنمائی میں ۱۹۱۴ء میں دس سال کی عمر میں "مدرسۃ الاصلاح" میں داخل ہوا۔ "مدرسۃ الاصلاح" میں، میں مکتب کے آخری درجے میں داخل ہوا۔ جس میں فارسی اور اردو کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ فارسی کی تعلیم تو میں نے حاصل کی لیکن اردو کی تعلیم سے مجھے اس وجہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا کہ وہاں درجے کے اعتبار سے میری اردو قابلیت کافی سمجھی گئی۔

سوال: "مدرسۃ الاصلاح" میں آپ نے کن علوم کی تعلیم حاصل کی اور کن زبانوں پر عبور حاصل کیا؟

جواب: "مدرسۃ الاصلاح" میں جیسا کہ میں نے عرض کیا، میں ۱۹۱۴ء میں داخل ہوا۔ وہاں آٹھ سال کا عربی زبان کا نصاب تھا۔ اس پورے نصاب کی تعلیم میں نے حاصل کی۔ اس عرصے میں، میں نے عربی زبان، قرآنِ مجید، حدیث، فقہ اسلامی اور کلامی علوم کی تحصیل کی۔ مدرسے میں، میں نے عربی زبان ہی پر اپنی اصل توجہ رکھی۔ اور حقیقت میں، میں جس زبان کا جاننے والا ہوں وہ عربی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں فارسی بھی جانتا ہوں، انگریزی اور اردو بھی جانتا ہوں اور اب تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں کچھ پنجابی بھی جانتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آٹھ سال میں نے پنجاب کے ایک گاؤں میں گزارے ہیں۔ لیکن جس زبان کا میں طالب علم ہوں وہ عربی زبان ہے۔

سوال: "مدرسۃ الاصلاح" کے علاوہ کسی اور درس گاہ میں کیا آپ کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا؟

جواب: "مدرسۃ الاصلاح" کے علاوہ مجھے کسی اور مدرسے میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ میں نے اس کی کبھی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال : "مدرسۃ الاصلاح" میں آپ کے اہم اساتذہ کون تھے ؟

جواب: مدرسے کے اساتذہ میں جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ میرے ایک استاد تو مولانا شبلی متکلم ندوی تھے۔ وہ مولانا شبلی نعمانی کے شاگرد تھے۔ میرے ساتھ ان کی جو شفقت وعنایت رہی ہے اس کے مقابلے میں کسی اور کی شفقت وعنایت میرے لیے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ ان کے علاوہ "ندوۃ العلماء" کے ایک فارغ التحصیل مولانا عبدالرحمٰن نگرامی مرحوم مدرسے میں میرے استاد تھے۔ وہ ایک عبقری تھے۔ ان کی ذہانت، ان کی قابلیت ، ان کی خطابت نے سارے مدرسے میں ہلچل پیدا کر رکھی تھی۔ انھوں نے طلبہ کے اندر علم کا ایک نیا شوق ابھار دیا تھا۔ میں طالبِ علمی کے دور میں ان کی صحبت سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ہوں۔ ان کی ذہانت کا میرے دل پر بہت اثر ہے۔ وہ خاص طریقے پر مجھ پر شفقت بھی فرماتے تھے اس وجہ سے میں نے ان سے فائدہ بھی بہت اٹھایا۔ مدرسے کے اساتذہ میں سے صرف ان دو استادوں کا میرے اوپر اثر ہے۔ مولانا نگرامی مرحوم نے میرے اندر عربی سیکھنے کا صحیح طور پر شوق اور ولولہ پیدا کیا۔ ورنہ میں ان علوم سے کچھ بددل ہوتا جا رہا تھا۔ انھوں نے میرے اندر ایک ایسا شوق پیدا کر دیا کہ پھر میں نے ساری زندگی اسی کے لیے وقف کر دی۔

سوال: مولانا حمید الدین فراہی سے آپ کا تعلق کب قائم ہوا؟

جواب: مولانا حمید الدین فراہیؒ سے میرا تعلق ۱۹۲۵ء میں قائم ہوا۔ اس زمانے میں میں مولانا عبدالماجد دریابادی کے اخبار 'سچ' میں کام کر رہا تھا۔ اعظم گڑھ آیا تو خیال ہوا کہ مولانا سے ملوں۔ مولانا سے میں ان کے گاؤں میں ملا تو مولانا نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا : آپ امین احسن ہیں ؟ میں نے کہا : جی۔ کہنے لگے : آپ اخبار نویسی کرتے پھریں گے یا ہم سے قرآن شریف پڑھیں گے۔ میں مولانا جیسی عظیم شخصیت سے یہ فقرہ سن کر حیران رہ گیا۔ فوراً میری زبان سے نکلا : میں حاضر ہوں۔ مولانا نے کہا : بہت اچھا۔ پھر اپنے بنگلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا : آپ اس میں ٹھہریں گے اور کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔ بس یہ ہے ان سے تعلق کا آغاز، اس سے پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے مجھے مدرسے میں دیکھا تو ہوگا لیکن واقعہ یہ ہے کہ مولانا سے اس زمانے میں ہم لوگ دور ہی دور سے ملتے تھے۔ قریب جانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن مولانا کے ارشاد کے بعد میں ان سے بہت قریب ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ مولانا اس زمانے میں اس مسئلے پر سوچ رہے تھے کہ اب کسی ایسے شخص کا انتخاب کریں جس کو وہ اپنے تمام علمی منصوبے سپرد کردیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب ان کو ان کی توقع کے مطابق کوئی آدمی نہیں ملا تو انھوں نے مجھ جیسے ناچیز کا انتخاب کیا۔ لیکن بہر حال اس کے بعد تعلق قائم ہو گیا۔

سوال: آپ مولانا فراہی کے نامور ترین شاگرد ہیں۔ مولانا کے دوسرے مشہور تلامذہ کون تھے؟ مولانا کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالیے، اور ان کی نجی زندگی کے قابل ذکر پہلو بیان فرمایئے؟

جواب: میں مولانا فراہی کا ایک ناچیز اور حقیر شاگرد ہوں۔ مولانا کے اور شاگرد تو بہت ہوں گے اس لیے کہ انھوں نے علی گڑھ، کراچی، حیدر آباد، اور الہ آباد میں کسی نہ کسی شکل میں تعلیم کے کام کو جاری رکھا۔ لیکن اصل شاگرد وہ ہیں جو اپنے آپ کو ان کا شاگرد سمجھیں اور ان کے کام میں کچھ حصہ لے رہے ہوں۔ اس طرح کے لوگوں میں پچھلے لوگوں میں سے تو ایک مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کا نام مجھے یاد ہے کہ وہ بے شک مولانا کے خیالات سے بہت متاثر تھے۔ ان کی تحریروں میں اس کا عکس پایا جاتا ہے۔ میرے ساتھیوں میں سے مولانا اختر احسن اصلاحی مولانا کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ انکے علاوہ بے شمار لوگ ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی شکل میں ان سے استفادہ کیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان سے استفادہ کرنا آسان نہیں تھا۔ مولانا کا طریقہ تعلیم ایسا نہیں تھا کہ پکا پکایا سامنے رکھ دیا جائے۔ در حقیقت وہ طالب علم کی استعداد اور ذہانت کو بیدار کرتے تھے۔ اس کے اندر سوالات پیدا کرتے تھے۔ اگر وہ مسائل پر غور کرنے کی صلاحیت ظاہر کرتا تب تو وہ کچھ رہنمائی دیتے تھے ورنہ خاموش ہو جاتے تھے۔ یہ سقراطی طریقہ تعلیم ہے۔ اس طریقہ تعلیم سے استفادہ کرنا ہر شخص کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام نہیں ہے۔ وہی شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ وہ ایک چیز کے متعلق صحیح طریقے پر اپنے شبہات کو متعین کر سکے۔ اور ان پر اگر کوئی جرح کی جائے تو اس کو سمجھ سکے۔ یہ ہر شخص کا کام نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے بہت کم لوگوں نے ان سے صحیح طور پر فائدہ اٹھایا۔

مولانا مرحوم کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالنا، واقعہ یہ ہے کہ میرے بس میں نہیں ہے۔ مولانا ہر اعتبار سے بہت ہی جامع اور بہت ہی وسیع الاطراف آدمی تھے زبانوں سے واقفیت میں ان کا عالم یہ تھا کہ وہ فارسی میں دری زبان نہ صرف یہ کہ جانتے تھے بلکہ اس میں شاعری بھی کرتے تھے۔ عربی زبان میں ان کو وہ درجۂ کمال حاصل تھا کہ میں بلا مبالغہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ عربی پر ایسا عبور عجم کے لوگوں میں سے شاید بہت ہی کم لوگوں کو حاصل ہوا ہوگا۔ انھوں نے عربیت کے ایسے ایسے نادر اور اعلیٰ اسالیب قرآنِ مجید کے تعلق سے دریافت کیے ہیں کہ ان مغاملات میں جاحظ اور مبرد وغیرہ بھی ان کے ہمسر نہیں ہو سکتے۔ وہ عربی زبان کے نہایت ہی اعلیٰ پائے کے شاعر تھے۔ علاوہ ازیں وہ فلسفے کی مختلف شاخوں پر اور خاص طور پر جدید فلسفے پر بڑی ناقدانہ نظر رکھتے تھے۔ اس ضمن میں ان کی تنقیدی یادداشتیں ہمارے پاس عربی میں محفوظ ہیں۔

مولانا عبرانی زبان سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ اس وجہ سے انھوں نے تمام قدیم آسمانی صحیفوں پر بہت ہی ناقدانہ نظر ڈالی اور تحریفات اور خرابیوں کو جو یہودی علما اور مستشرقین نے پیدا کیں، بے نقاب کیا۔ ایک ایسے جامع آدمی کی مختلف الاطراف زندگی پر روشنی ڈالنا واقعہ یہ ہے کہ میرے بس میں نہیں۔ میں جس چیز سے زیادہ واقف ہوں وہ ان کا وہ شعبہ زندگی ہے جو قرآنِ مجید سے متعلق ہے۔ قرآنِ مجید پر غور و فکر کی انھوں نے ایسی نئی راہیں دریافت کیں جو ان سے پہلے کسی کو معلوم نہیں تھیں۔ ان کا غور و فکر کا طریقہ گویا ڈائریکٹ اپروچ کا طریقہ ہے۔ یعنی قرآنِ مجید کو عربی زبان، قرآنِ مجید کے نظام اور قرآنِ مجید کے اپنے شواہد کی روشنی میں سمجھا جائے۔ وہ اسی طرح قرآن مجید کے معنی کی تحقیق کرتے تھے، اسی طریقے پر توضیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے تھے۔ یہ طریقہ ان سے پہلے کسی شخص نے اختیار نہیں کیا۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا اور بہت کامیابی کے ساتھ اختیار کیا۔ اسی اصول پر انھوں نے عربی زبان میں اپنی تفسیر لکھنی شروع کی۔ لیکن یہ کام ناتمام رہا۔

مولانا جامع کمالات شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی نجی زندگی بھی واقعہ یہ ہے کہ حیرت انگیز تھی۔ یہ واقعہ ہے کہ بہت ہی نیک، بہت ہی خاموش اور بہت ہی غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھے اور نہایت غیر معمولی ذہین انسان تھے۔ مولانا شبلی، مولانا فیض الحسن اور ان کے دیگر اساتذہ کو ان پر ناز تھا۔ جب وہ علی گڑھ میں داخل ہوئے تو سر سید نے ان کے متعلق شاہد بیگ صاحب کو یہ خط لکھا تھا کہ آپ کے کالج میں میں ایک ایسا طالب علم داخل کرنا چاہتا ہوں کہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں آپ کے پروفیسروں میں بھی کوئی اس کی ٹکر کا نہیں ہے۔ آغا عادل صاحب مولانا شبلی سے ملے اور انھوں نے کہا کہ یہ سید صاحب نے ایک طالبِ علم کے متعلق کیا لکھ دیا ہے کہ آپ جیسے جید لوگ اس کے پائے کے نہیں ہیں۔ اس پر مولانا شبلی نے فرمایا کہ میرے لیے تو سید صاحب کا یہ لکھا وجۂ فخر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سید صاحب کے یہ ممدوح عربی و فارسی دونوں میں میرے شاگرد ہیں۔

طالبِ علمی کے زمانے میں سر سید نے مولانا فراہی سے طبقات ابن سعد کے کچھ حصے ترجمہ کرائے اور اس کی فارسی کو بالکل معیاری فارسی پایا اور اس کو کالج کے نصاب میں داخل کیا۔ سر سید غزالی کی کسی کتاب کو مرتب کر رہے تھے اور اس میں مولانا شبلی اور مولوی نذیر احمد بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ مولانا شبلی نے سر سید سے کہا کہ آپ یہ کام حمید کو دے دیجیے وہ یہ کر دیں گے۔ ہمارے اور آپ کے لیے کافی مشکل ہے۔ سید صاحب کو بڑا تعجب ہوا لیکن انھوں نے کتاب مولانا کے حوالے کر دی اور یہ کہا کہ جہاں جہاں حروف کٹے ہوئے ہیں وہاں ان کو معین کرنے کی کوشش کیجیے۔ مولانا نے دو چار دن کے بعد وہ کتاب ضروری اصلاح کے بعد واپس کر دی۔ سر سید نے جب ان کے کام کو دوسرے نسخوں سے ملایا تو حیرت انگیز طریقے پر انھوں نے یہ پایا کہ مولانا فراہی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیاس اکثر جگہ پر صحیح ہے۔ سر سید نے مولانا فراہی سے پوچھا کہ آپ نے یہ الفاظ کس طریقے سے معین کیے ہیں، تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے غزالی کی زبان پیشِ نظر رکھ کر یہ الفاظ معین کیے ہیں اور امید ہے کہ اکثر جگہ میرا قیاس صحیح ہوگا۔

وہ ایک عبقری انسان تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ کردار اور اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ان کے خاندان کے دشمنوں کو بھی ان کے عدل پر اعتماد تھا۔ "مدرسۃ الاصلاح" کی زندگی میں پانچ سال ان کا مطالعہ کرنے کے بعد میں سچ کہتا ہوں کہ گہرے علم اور گہرے غور و فکر کے ساتھ اس طرح کا مضبوط اور مستحکم تقویٰ میں نے کسی کے اندر نہیں پایا۔ اس ذہانت، اس علم، اس وسعتِ نظر کے ساتھ ساتھ ان کا تقویٰ، ان کی پرہیز گاری، ان کی نیکی اور اللہ کی یاد میں ان کے انہماک کی کوئی اور نظیر میرے سامنے نہیں ہے۔

سوال: مولانا فراہی کہاں پیدا ہوئے اور ان کی سکونت عام طور پر کہاں رہی؟ ان کا انتقال کب ہوا اور ان کا مدفن کہاں ہے؟

جواب: مولانا جس گاؤں میں پیدا ہوئے اس کا نام پھریہا تھا۔ اس کو وہ عربی قاعدے پر تبدیل کر کے فراہی لکھتے تھے۔ یہ گاؤں اعظم گڑھ اور سرائے میر کے درمیان ہے۔ مولانا کا خاندان بہت بڑا زمین دار گھرانا تھا۔ ان کا شمار اعظم گڑھ کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ مولانا کے نسب کے متعلق تو اب میں کچھ نہیں کہہ سکتا بس مجھے اتنا معلوم ہے کہ مولانا انصاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بات ان کے تمام خاندان میں مشہور ہے اور اکثر لوگ اپنے نام کے ساتھ انصاری لکھتے ہیں۔ اس لیے یہ بات اپنی جگہ پر واضح ہے کہ وہ انصاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

مولانا کا انتقال نومبر ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ مولانا کو اس وقت مثانے میں کچھ تکلیف کی شکایت ہوئی۔ وہ اپنے ہم وطن ڈاکٹر سے علاج کے لیے متھرا تشریف لے گئے اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ وہ ڈاکٹر ان کے پہلے ہی سے معالج تھے۔ متھرا میں ان کا آپریشن ہوا۔ آپریشن ناکام ہوا اور وہیں پر ان کا انتقال ہو گیا۔ اسی مقام پر وہ غریبوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبرستان میں دفن ہوئے۔ متھرا میں مسلمانوں کی آبادی بہت کم تھی اور جو تھے وہ بھی بہت غربت کی حالت میں تھے۔ وہاں ان کو دفن کرنے کی خاص وجہ یہ ہوئی کہ وہ اکثر یہ ذکر کرتے تھے کہ آدمی جہاں مرے وہیں دفن ہو۔ یہ ان کی درویشانہ طبیعت کا ایک خاص رجحان تھا۔ وفات کے موقع پر مولانا کے چھوٹے بھائی مولوی حاجی رشید الدین اور مولانا کے دونوں صاحبزادے وہاں موجود تھے۔ میں بھی وہیں موجود تھا۔ سب کی رائے یہ قرار پائی کہ مولانا کے عام رجحان کے تحت ان کو وہیں دفن کر دیا جائے اس کے بعد متھرا آنا جانا بہت ہی کم رہا۔ ان کی قبر کچھ دنوں تک تو ضرور محفوظ رہی ہوگی۔ لیکن اب نہیں معلوم کہ ان کی قبر محفوظ ہے یا نہیں۔ وہ قبر کے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام پسند نہیں کرتے تھے اس وجہ سے امکان یہی ہے کہ قبر محفوظ نہیں رہی ہوگی۔

سوال: مولانا، ''مدرسۃ الاصلاح'' کے قیام اور اس کے مقاصد کے بارے میں کچھ بتایئے؟

جواب: ''مدرسۃ الاصلاح'' مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کے تعلیمی نظریات کا ایک مرکز ہے۔ اعظم گڑھ کو یہ شرف حاصل ہے کہ دو عظیم ہستیاں مولانا شبلی اور مولانا فراہی وہاں پیدا ہوئے۔ ان بزرگوں نے اپنے آخری دور میں ''مدرسۃ الاصلاح'' کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ مولانا شبلی تو زیادہ توجہ نہ فرما سکے۔ لیکن مولانا حمید الدین فراہی نے خاص طور پر اس کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ اس مدرسے کا تعلیمی نصب العین اعلیٰ عربی زبان و ادب اور قرآنِ مجید کی محققانہ تعلیم ہے اس مدرسے میں بغیر کسی تعصب کے پوری فقہ اسلامی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یعنی شافعیت، حنبلیت وغیرہ کا رجحان پیدا نہیں ہونے دیا جاتا۔ کوشش کی جاتی ہے کہ طالبِ علم آزادانہ طریقے پر فقہِ اسلامی میں سے جس مسلک کو بھی کتاب و سنت سے موافق پائے، اس کو اختیار کرے کلامی اور اعتقادی مسائل میں وہ اصل کتاب و سنت کو ماخذ و منبع بنائے اور متکلمین کے نظریات کو کوئی اہمیت نہ دے۔ اس مدرسے میں اساتذہ اس امر کا خیال رکھتے ہیں یہ مدرسہ حقیقت میں وہاں کی برادری کا مخصوص مدرسہ ہے اس کی زیادہ تر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپیل اعظم گڑھ کی ایک خاص برادری ہی سے رہی ہے۔ اس وجہ سے مالی اعتبار سے یہ کچھ زیادہ ترقی نہیں کر سکا۔ لیکن جہاں تک اس کے نصب العین کا تعلق ہے تو خدا کا شکر ہے کہ وہ اب تک زندہ و قائم ہے۔ اس مدرسے میں، میں نے ''دائرہ حمیدیہ'' کے نام سے ایک شعبے کا اضافہ کیا تھا اس شعبے کا مقصد مولانا کے افکار کی اشاعت تھا۔

سوال: تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے بحیثیت مدرس کہاں کہاں کام کیا؟ ''مدرسۃ الاصلاح'' میں تدریسی فرائض کب شروع ہوئے اور کب تک جاری رہے ؟ اس مادرِ علمی میں تدریسی خدمت کے دوران میں تصنیفی اور تالیفی مشاغل کی نوعیت کیا رہی ؟

جواب: تعلیم سے فراغت کے بعد بحیثیت مدرس میں نے صرف ''مدرسۃ الاصلاح'' کی خدمت کی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ میں نے کبھی تدریسی کام نہیں کیا۔ جب مولانا فراہی نے میرا انتخاب کیا تھا تو اسی موقع پر انھوں نے مجھے ''مدرسۃ الاصلاح'' میں بحیثیت مدرس بھی مقرر کر دیا تھا۔ عربی ادب اور قرآن کی تعلیم میری تدریسی ذمہ داری تھی۔ یہ تدریسی فرائض میں نے سترہ سال تک انجام دیے۔ اس دوران میں تصنیف و تالیف کا کام کچھ زیادہ نہیں کیا۔ لیکن وہاں اپنے قیام کے زمانے میں غالباً ۱۹۳۶ء میں میں نے رسالہ ''الاصلاح'' نکالا تھا۔ ''الاصلاح'' میں، میں نے مولانا کے تمام شائع شدہ تفسیری رسائل کا ترجمہ شائع کیا۔ مولانا کی تصنیفات میں سے ''الرای الصحیح فی من ھو الذبیح'' اور ''امعان فی اقسام القرآن'' کا ترجمہ بھی میں نے رسالے میں شائع کیا۔ علاوہ ازیں میں نے خود ''مبادی تدبر قرآن'' کے عنوان سے مولانا کے اصولِ تفسیر کے مطابق ایک کتاب لکھی۔ فقہی اختلافات کے حل پر بھی اس عرصے میں ایک کتاب تحریر کی۔ ''الاصلاح'' کے اجراء سے میرا مقصد بھی یہ تھا کہ مولانا کی ساری چیزیں جو عربی زبان میں ہیں، ان کو کسی نہ کسی طریقے سے اردو میں لانے کی کوشش کی جائے۔ اس زمانے میں میرا زیادہ تر کام اسی درجے تک محدود رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال: آپ کو تصنیف و تالیف کی تحریک مولانا فراہی کی فکری تربیت اور صحبت سے ہوئی یا آپ کی نظر میں اس کا محرک کچھ اور تھا؟

جواب: یہ واقعہ ہے کہ تصنیف و تالیف کا شوق ابتداء میں تو بس ایک شوق ہی کے طریقے پر ہوتا ہے کہ ہم مصنف ہو جائیں۔ میرے اندر بھی یہ شوق رہا ہوگا۔ لیکن مولانا فراہی نے ہمیں یہ اصول قطعی طور پر تسلیم کرا دیا تھا کہ جب تک آدمی پر کسی نئی حقیقت کا انکشاف نہ ہو، اس وقت تک لکھنے کے لیے قلم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ مولانا کی صحبت سے مجھ پر قرآنِ مجید کے فہم کے جو دروازے کھلے، جو نئی حقیقتیں سامنے آئیں۔ وہی تحریر کا محرک بنیں۔ لیکن مولانا کی کتابوں کے ترجمے سے فارغ ہونے کے بعد ہی دوسری چیزیں لکھنے کی طرف متوجہ ہوا۔

سوال: ہمارے علم کے مطابق آپ نے مختلف مراحل میں رسالہ ''الاصلاح''، اخبار ''مدینہ'' اور رسالہ ''میثاق'' میں ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ کیا ان جرائد کے علاوہ بھی کسی اور اخبار یا جریدے سے آپ متعلق رہے؟

جواب: ان اخبارات و رسائل کے علاوہ ''مدینہ'' کے دفتر سے بچوں کا ایک رسالہ نکلتا تھا میں اس کا بھی مدیر رہا ہوں۔ اور کچھ عرصے کے لیے جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا، میں نے مولانا عبدالماجد دریابادی کے اخبار ''سچ'' میں بھی کام کیا۔

سوال: ''الاصلاح'' کیا محض علمی و تحقیقی رسالہ تھا یا اس میں سیاسی اور معاشرتی مضامین بھی شائع ہوتے تھے؟ آپ نے اس کی کب سے کب تک ادارت فرمائی؟

جواب: یہ رسالہ غالباً ۱۹۳۶ء میں نکلا اور تین سال سے کچھ زیادہ عرصہ جاری رہا۔ اس میں زیادہ تر تحقیقی مضامین تو مولانا فراہی کی کتابوں کے ترجمے کی شکل میں تھے۔ لیکن اس زمانے میں ملک میں مختلف تحریکیں بھی چل رہی تھی ان تحریکوں کے حوالے سے جن امور کا تعلق براہِ راست مذہب سے ہوتا تھا لازماً ان سے مجھے بھی تعرض کرنا پڑتا تھا لیکن اس رسالہ کا ان مسائل سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال: آپ کو تصنیف و تالیف کی تحریک مولانا فراہی کی فکری تربیت اور صحبت سے ہوئی یا آپ کی نظر میں اس کا محرک کچھ اور تھا؟

جواب: یہ واقعہ ہے کہ تصنیف و تالیف کا شوق ابتداء میں تو بس ایک شوق ہی کے طریقے پر ہوتا ہے کہ ہم مصنف ہو جائیں۔ میرے اندر بھی یہ شوق رہا ہوگا۔ لیکن مولانا فراہی نے ہمیں یہ اصول قطعی طور پر تسلیم کرا دیا تھا کہ جب تک آدمی پر کسی نئی حقیقت کا انکشاف نہ ہو، اس وقت تک لکھنے کے لیے قلم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ مولانا کی صحبت سے مجھ پر قرآن مجید کے فہم کے جو دروازے کھلے، جو نئی حقیقتیں سامنے آئیں۔ وہی تحریر کا محرک بنیں۔ لیکن مولانا کی کتابوں کے ترجمے سے فارغ ہونے کے بعد ہی دوسری چیزیں لکھنے کی طرف متوجہ ہوا۔

سوال: ہمارے علم کے مطابق آپ نے مختلف مراحل میں رسالہ ''الاصلاح''، اخبار ''مدینہ'' اور رسالہ ''میثاق'' میں ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ کیا ان جرائد کے علاوہ بھی کسی اور اخبار یا جریدے سے آپ متعلق رہے ہیں؟

جواب: ان اخبارات و رسائل کے علاوہ ''مدینہ'' کے دفتر سے بچوں کا ایک رسالہ نکلتا تھا میں اس کا بھی مدیر رہا ہوں۔ اور کچھ عرصے کے لیے جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا، میں نے مولانا عبدالماجد دریابادی کے اخبار ''سچ'' میں بھی کام کیا۔

سوال: ''الاصلاح'' کیا محض علمی و تحقیقی رسالہ تھا یا اس میں سیاسی اور معاشرتی مضامین بھی شائع ہوتے تھے؟ آپ نے اس کی کب سے کب تک ادارت فرمائی؟

جواب: یہ رسالہ غالباً ۱۹۳۶ء میں نکلا اور تین سال سے کچھ زیادہ عرصہ جاری رہا۔ اس میں زیادہ تر تحقیقی مضامین تو مولانا فراہی کی کتابوں کے ترجمے کی شکل میں تھے۔ لیکن اس زمانے میں ملک میں مختلف تحریکیں بھی چل رہی تھی ان تحریکوں کے حوالے سے جن امور کا تعلق براہِ راست مذہب سے ہوتا تھا لازماً ان سے مجھے بھی تعرض کرنا پڑتا تھا لیکن اس رسالے کا سیاسی مسائل سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال: مولانا آپ اخبار "مدینہ" سے کب وابستہ ہوئے؟ اس میں آپ نے کس نوعیت کے مضمون لکھے؟ 'مدینہ' سے آپ کب علیحدہ ہوئے؟

جواب: 'مدینہ' اخبار سے میرا تعلق غالباً ۱۹۲۲ء میں قائم ہوا، اس زمانے میں یوپی کے ہفتہ وار اخباروں میں ایک اچھا اخبار سمجھا جاتا تھا۔ یہ تحریک خلافت اور کانگریس کی سرگرمیوں کا زمانہ تھا۔ 'مدینہ' اخبار ان دونوں کا ہم نوا تھا۔ اس وجہ سے مجھے بھی مضامین ان دونوں کے تقاضوں کے مطابق لکھنے پڑتے تھے۔ لیکن میرا ذوق شروع ہی سے علمی اور تحقیقی رہا ہے۔ اخبار نویسی کو کبھی میں نے دل سے پسند نہیں کیا۔ اس وجہ سے جب وقت آگیا کہ اس کو چھوڑ دوں اور کچھ دوسرے محرکات پیدا ہو گئے تو میں نے اسے چھوڑ دیا اور علمی اور تحقیقی کاموں کے لیے اپنے آپ کو مخصوص کر لیا۔

سوال: آپ کی خطابت کا بڑا چرچا ہے۔ مداح کہتے ہیں کہ آپ جادو بیان خطیب ہیں آپ کا یہ ملکہ خداداد ہے یا برِ صغیر کے کسی نامور خطیب یا استاد کی خوشہ چینی نے آپ کو اس مرتبہ کا خطیب بنا دیا؟

جواب: جادو بیانی وغیرہ تو خیر مبالغہ آمیز الفاظ ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ میں تقریر اچھی کر لیتا ہوں میرے سامعین بور نہیں ہوتے خطابت اور شاعری دونوں ہی وہبی چیزیں ہیں اکتسابی نہیں۔ اکتساب سے کوئی شخص خطیب بن سکتا ہے اور نہ شاعر، ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کچھ محنت کر کے ذہانت اور قابلیت سے اکتساب کے ذریعے سے بھی اپنے آپ کو خطیب بنا لے جیسا کہ مولانا شبلی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابوالکلام جیسی خطابت اکتسابی نہیں ہو سکتی۔ میں اپنی تقریر کے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر تیار ہو کر تقریر کروں تو شاید کر ہی نہ سکوں۔ بس جو برجستہ میرے دل میں آتا ہے وہ میں تقریر کر دیتا ہوں۔ لیکن میں بہت مختصر تقریر کرتا ہوں۔ لمبی تقریر نہ کسی کی سن سکتا ہوں اور نہ کر سکتا ہوں۔ مجھے یاد ہے طالبِ علمی کے زمانے میں، میں نے مدرسے کے ایک جلسے میں تقریر کی تھی اس جلسے میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا سید سلیمان ندوی، اور مولانا عبدالرحمٰن نگرامی جیسے لوگ موجود تھے۔ میری تقریر سب لوگوں نے اتنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پسند کی کہ مولانا فراہی نے اپنے 'مجموعہ فراہی' کا پورا سیٹ اپنے دستخطوں سے مزین کر کے مجھے بصلہ حسنِ تقریر انعام دیا۔ لیکن میں شاد و نادر ہی اور بڑی مشکل سے کسی جلسے میں جاتا ہوں اور ہمیشہ کسی ضرورت ہی پر تقریر کی ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ مولانا فراہی کے پاس آئے۔ انھوں نے میری تقریر کی بہت تعریف کی۔ مولانا سنتے بھی رہے ، مسکراتے بھی رہے ، لیکن جب وہ لوگ اٹھ گئے تو مولانا نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ زیادہ تقریر کرنے سے آدمی کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس کے بعد میں تقریروں کے معاملے میں بہت محتاط ہو گیا میں نے سوچا کہ تقریر کا شوق ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کے لیے میں اپنا دل ہی سیاہ کر لوں۔ چنانچہ شدید ضرورت کے تحت تقریریں کیں۔

سوال: مولانا، عام طور پر آپ کی تقریروں کے موضوعات کیا ہوتے تھے ؟

جواب: میری تقریروں کا موضوع ہمیشہ مذہب رہا ہے ابتدائے زندگی می جب خلافت اور کانگریس کی تحریکیں چلی رہی تھیں اور میں مدینہ اخبار سے وابستہ تھا تو اس زمانے میں کچھ سیاسی تقریریں بھی کیں تھی۔ میں نے زیادہ تقریریں جماعتِ اسلامی کے دور میں کی ہیں۔ اس وقت تو جماعت کا موضوع مذہب ہی ہو تا تھا۔ اب ہو سکتا ہے کہ کچھ اور بن گیا ہو۔

سوال: آپ کے استاد گرامی مولانا فراہی کی وفات کے بعد ان کی کتنی تصانیف مکمل حالت میں تھیں اور کتنی کتابوں کے مسودات ادھورے تھے ؟

جواب: مولانا کی زندگی میں تو ان کی تفسیر کے کچھ اجزاء چھپے تھے۔ رسالہ "امعان فی اقسام القرآن" بھی شائع ہوا تھا۔ رسالہ "الرای الصحیح فی من ھو الذبیح" بھی شائع ہوا تھا۔ ان کے علاوہ ان کا ایک فارسی دیوان بھی چھپا تھا۔ باقی تمام کتابیں جو تقریباً دو درجن تھیں وہ سب کی سب مسودات کی شکل میں بکس میں بند تھیں۔ ان میں سے ایک درجن کے قریب تو "دائرہ حمیدیہ" نے شائع کر دیں۔ لیکن کم وبیش اتنے ہی مسودات ابھی تک موجود ہیں۔ ان مسودات کی نقول میرے پاس بھی ہیں۔ اور "دائرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حمیدیہ" میں بھی ہیں۔ اب چونکہ مولانا فراہی پر ادارہ تحقیقات اسلامی نے بھی کام شروع کر دیا ہے اس لیے ان مسودات کو فوٹو اسٹیٹ ان کو بھی مہیا کر دی گئی ہیں۔

سوال: مولانا فراہی کیسے شاعر تھے ان کا کچھ کلام آپ کو یاد ہے؟

جواب: میرے نزدیک مولانا فراہی بے نظیر شاعر تھے۔ لیکن میں ان کا شاگرد ہوں اس لیے ممکن ہے کہ دوسرے لوگ یہ بات نہ مانیں میرے ذوق کے مطابق تو مولانا بے نظیر شاعر تھے میری یادداشت اتنی زیادہ نہیں رہی۔ ان کے اشعار کچھ کچھ مجھے یاد ہیں:

در جہاں خواب گاہ نتواں کرد
خواب بر راہ وچاہ نتواں کرد
کار از بہر کار باید کرد
از پئے واہ واہ نتواں کرد
کز پئے واہ، واہ نادا نان
زندگانی تباہ نتواں کرد
جز بدرگاہ ایزد یکتا
پشت خود راہ دوتاہ نتواں کرد

اس طرح ان کا اردو کلام بھی اردو ادب کا شاہکار ہے عربی زبان کے تو وہ بے نظیر شاعر تھے۔ طرابلس وغیرہ پر جو نظمیں انھوں نے لکھیں وہ اتنی درد انگیز اور موثر ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ شیخ سنوسی نے جب وہ نظمیں سنیں تو وہ رونے لگے۔

سوال: مولانا فراہی علامہ اقبال کے ہم عصر تھے کیا علامہ اقبال سے ان کا کوئی تعلق تھا؟

جواب: مولانا علامہ اقبال کے ہم عصر تو تھے ممکن ہے علی گڑھ کے زمانے میں کبھی دیکھا ہو لیکن میرے علم کی حد تک ان کا کوئی خاص تعلق نہیں رہا۔

سوال: مولانا فراہی کی عربی تصانیف میں سے متعدد تصانیف کو آپ نے اردو

© rasailojaraid.com